THE FEATURES OF THE MOVEMENT OF RENAISSANCE IN ISLAMIC WORLD

By: ***Ayotllah Ali Reza Aarafi***
Trans: ***Dr. Sheikh Muhammad Hassnain***

Key words*: Islamic world, Renaissance, Islamic, Civilization, Unity, Law, Sharia, Judlciary, International Relations.*

Preface:

In February 2019, Ayaatullah Muhammad Reza Ierafi visited Pakistan. He is the former head of Al-Mustafa International University Currently, he is a member of the said University's shura-ye Ali. He is also the head of the educational system of seminvies and the deputy Juma Prayer Leader of Qom. His high academic status can be guessed by the fact that he has been Ijtihad; lessons on teching jurisprudential issues of teaching and upinging for sixteen years. He visted many institutes in Pakistan and called on many pironment figures of institute of policy studies. The Islamic Ideological council, Jamia Al-Kawthar, Jamia Ashrafia, Jamia Al-Muntazar, Jamia Urwat-ul-Wothqa, Jamia Naimiyah, Mansora, Punjab University, Qalm Dost, Ummat-e-Wahida, Lahore Bar Association and Ittihad-eTanzemat-eMadaris. He hightghted the features of Islamic Renaissance in his dicussions with Prof Khalid-ul-Rahman, Qibla Ayaz, Shaikh Muhsin Najafi, Hafiz Fazal Al-Rahim, Hafiz Syed Riaz Hussain Najafi, Mufti Munibur Rahman, Mawlana Siraj-ul-Haq and other members and students of many institutions. In his urtide, his statemnts have been presented in an exmpiled way.

عالم اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی تحریک کے خدّ وخال

آیۃ اللہ علی رضا اعرافی

ترجمہ وتدوین : ڈاکٹر شیخ محمد حسنین

Sheikh.hasnain26060@gmail.com

کلیدی کلمات : عالم اسلام، نشأۃ ثانیہ، اسلامی تمدن، وحدت، قانون، شریعت، عدلیہ، بین الاقوامی روابط۔

مقدمہ :

فروری 2019 میں حضرت آیۃ اللہ محمد رضا اعرافی نے پاکستان کا دورہ کیا۔ آپ المصطفیٰ انٹر نیشنل یونی ورسٹی کے سابقہ سربراہ اور اس یونی ورسٹی کی شورائے عالی کے ممبر، نیز ایران میں دینی مدارس کے تعلیمی نظام کے سربراہ اور قم کے علی البدل امام جمعہ ہیں۔ آپ کی علمی صلاحیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ عرصہ سولہ سال سے تعلیم وتربیت کے فقہی مسائل پر اجتہادی درس پڑھا رہے ہیں۔ آپ نے پاکستان میں کئی اداروں کا دورہ کیا اور Institute of Policy Studies، اسلامی نظریاتی کونسل، جامعۃ الکوثر، جامعہ اشرفیہ، جامعہ المنتظر، جامعہ عروۃ الوثقٰی، جامعہ نعیمیہ، منصورہ، پنجاب یونی ورسٹی، قلم دوست، امت واحدہ، لاہور بار ایسوسی ایشن اور اتحاد تنظیمات مدارس کے علماء، پروفیسرز، دانشوروں، صحافیوں، وکلاء اور بعض جسٹس صاحبان کے ساتھ ملاقاتیں کیں۔ پروفیسر خالد الرحمٰن، قبلہ ایاز، علامہ شیخ محسن نجفی، حافظ فضل الرحیم، علامہ حافظ سید ریاض حسین نجفی، مفتی منیب الرحمٰن، سینٹر سراج الحق اور کئی اداروں کے طلباء اور ممبران سے گفتگو میں عالمِ اسلام کی نشأت ثانیہ کی تحریک کے خدّوخال اجاگر کیے۔ اس مقالہ میں اس سلسلے میں آپ کے بیانات وارشادات کو مدوّن صورت میں پیش کیا جارہا ہے۔

اسلامی تمدن کے احیاء کے لئے ناگزیر اقدامات

اگر مسلم امت اسلامی تمدن کا احیاء چاہتی ہے تو اُسے درج ذیل اقدامات اٹھانا ہوں گے :

1) اسلامی فقہ اور قانون سازی کی تکمیل، نیز فقہ اور قانون میں نئی مباحث اور ابواب کا اضافہ۔
2) Humanities اور Sociology جیسے علوم میں پیشرفت اور رہبرانہ کردار۔
3) سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں محنت و مشقت اور علم و دانش کی نئی چوٹیاں سر کرنا۔
4) مسلمان ممالک کے انفراسٹرکچر کی مضبوطی اور تمام شعبوں میں تعمیر و ترقی ۔
5) امت کی وحدت اور اسلامی تشخص کی طرف بازگشت ہے۔

انسانی اور اجتماعی علوم

Humanities اور Sociology جیسے علوم جو انسانی معاشروں پر حکمرانی کا وسیلہ ہیں، ان میں پیشرفت کے لئے درج ذیل نکات کا خیال رکھنا ہوگا:

1. انسانی اور اجتماعی علوم کی Islamization کے لئے یہ تحقیقی کام انجام دینا ہوگا کہ انسانی علوم کی مبادی و مبانی میں اسلام کی کیا فلسفی نگاہ ہے؟
2. اس تحقیق میں یہ دیکھنا ہوگا کہ انسانی اور اجتماعی علوم کے شعبوں میں کیا کیا نئے سوالات درپیش ہیں اور عصر حاضر کے ان سوالات کا جواب اسلامی تعلیمات کی روشنی میں کیا ہے؟
3. انسانی اور اجتماعی علوم کی تولیدات کیا ہیں اور ان کی اسلامی علوم اور اسلامی مبانی پر کیسے تطبیق ممکن ہے۔
4. اسلامی فقہ، شریعت، کلام، حدیث اور تفسیر کی سرحدوں کو وسعت عطا کرنے کی ضرورت ہے اور اس میدان میں دنیا کے انسانی اور اجتماعی علوم کے ماہرین کی آراء و نظریات اور ان کی Approach سے بھرپور استفادہ کرنا ہوگا۔ Humanities اور Sociology کے حوالے سے یورپی مفکرین نے جو کام کیا ہے اُسے نہ تو افراط مطلق کا شکار ہوتے ہوئے مطلّقاردکرنا ہوگا اور نہ ہی آنکھیں بند کرتے ہوئے مطلّقاقبول کرنا ہوگا بلکہ Refine کرنا ہوگا۔ یعنی ان علوم پر اس طرح کا تحقیقاتی کام انجام دینا ہوگا اور اس تحقیقاتی کام میں درج ذیل امور کا خیال رکھا جائے:

- ✓ اسلامی مذاہب کا تطبیقی مطالعہ اور مذکورہ بالا موضوعات پر تحقیقات پیش کرتے وقت مختلف اسلامی مذاہب کے نکتہ نظر کو پیش کرنا اور کسی ایک فرقے اور مسلک کی ترجمانی سے احتراز۔
- ✓ یورپ میں Law & Rights پر انجام دیے گئے تحقیقاتی کام کا مطالعہ اور اس حوالے سے اسلامی تعلیمات اور اسلامی فقہ کی برتری کو تحقیق کے ذریعے ثابت کرنا۔
- ✓ قرآن و حدیث پر تحقیقات میں جدید شعبوں کا اضافہ۔ مثال کے طور پر قرآن اور طبیعت، قرآن اور سیاست، قرآن اور اقتصاد، قرآن اور سماجیات جیسے جدید شعبے دائر کیے جائیں۔ نیز مستشرقین کے کام کو دیکھا جائے اور ان کے شبہات کا جواب دیا جائے۔
- ✓ فلسفہ اور عقلی علوم کی تعلیم رائج کی جائے۔
- ✓ ادیان و مذاہب کا مطالعہ اور تدریس کو اجتماعی علوم کی تدریس میں شامل کیا جائے۔

قانون، شریعت اور عدلیہ

آیہ اللہ اعرافی نے اپنی گفتگو میں بتایا کہ یورپ کی نشأت ثانیہ کے نتیجے میں مسلم ممالک میں شریعت اور قانون میں دوگانگی ایجاد ہوئی۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ ہماری یونی ورسٹیز اور دینی تعلیمی مراکز نے درست سمت میں حرکت نہیں کی۔ ہمیں چاہیے تھا کہ ہم قرآن و حدیث کے متن سے قوانین استخراج کرتے اور ان کا اجراء کرتے۔ جب ہم ایسا نہ کرسکے تو اسلامی ممالک میں مغربی قوانین لاگو ہوگئے۔ اب ہم اگر چاہتے ہیں کہ اسلامی قانون سازی کی طرف واپس لوٹیں تو ہمیں اسلامی قانون سازی پر تحقیقی کام انجام دینے کی ضرورت ہے۔ تاہم اسلامی قانون سازی کے لئے شریعت اور قانون کے درمیان نسبت کو اجاگر کرنا ہوگا۔ شریعت اور قانون کی نسبت کے حوالے سے کئی نظریات پائے جاتے ہیں لیکن جو نظریہ قابل دفاع ہے وہ یہ ہے کہ قانون اور شریعت کے مابین عموم خصوص من وجہ کی نسبت پائی جاتی ہے۔(1) دوسرے الفاظ میں بعض شرعی احکام ایسے ہیں جو قانون کے قالب میں بیان نہیں ہوتے۔ عبادات شریعت کا وہ حصہ ہیں جہاں قانون رہنمائی نہیں کرتا۔ اس کے برعکس، بعض اوقات بعض جزئی اور زمانی و مکانی امور و معاملات میں قانون رہنمائی کرتا ہے لیکن شریعت کی مستقیم رہنمائی نہیں پائی جاتی۔ ان دونوں صورتوں کے برعکس، بہت سی ایسی صورتیں، ایسے امور اور ایسے معاملات ہیں جن میں بیک وقت شریعت اور قانون، دونوں کی رہنمائی اور ہدایت وارشاد کا سلسلہ پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اکثر مدنی اور جزائی امور میں قانون اور شریعت دونوں اپنا اپنا نظریہ اور رہنمائی پیش کرتے ہیں۔

تشریع کے تناظر میں اس مطلب کی توضیح یہ ہے کہ فقہاء کے مطابق فقہی عناوین کی اقسام تین ہیں:

1. **اولی عناوین**: یعنی ایسے عناوین جن کا حکم قرآن وسنت کے متن میں بیان ہوا ہے اور اس حکم کو اجتہادی روش کے ذریعے استخراج کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر قتل عمد، قتل شبہ عمد، نماز، روزہ اور حج جیسے عناوین۔
2. **ثانوی عناوین**: ایسے عناوین جو عمومی اور اولی عناوین کے حکم میں تغییر کا موجب بنتے ہیں اور ان کے بموجب قوانینِ اولیہ بدل جاتے ہیں۔ جیسے قاعدہ لاضرر اور قاعدہ لاحرج وغیرہ۔
3. **حکومتی اور سلطانی عناوین**: یعنی ایسے عناوین جن کا تعلق حکومتی امور اور معاشرے کی عمومی منفعت و مصلحت اور نقصان و فساد سے ہوتا ہے۔

جہاں تک عالم اسلام کی نشأت ثانیہ کے لئے قانون سازی اور تشریع میں توسیع کا تعلق ہے تو اس حوالے سے علمائے اسلام کو قانون اور شریعت کے عناوین کی تشخیص اور احکام کے استخراج کے لئے تین بنیادی کام انجام دینے کی ضرورت ہے:

1. اوّلی عناوین کی جزئیات کو واضح کرنا اور ان کو مدنی قوانین کے اندر سمونا۔ نیز انہیں قانون کی زبان و ادبیات میں بیان کرنا اور اس عمل کے دوران قانون کی دین وشریعت پر تطبیق میں مکمل دقّت اور ظرافت سے کام لینا۔

1۔ علم منطق کی رو سے "عموم خصوص من وجہ" کی نسبت دو ایسے مفاہیم کے درمیان پائی جاتی ہے جن کے درمیان ایک نقطہ پر اتحاد و اشتراک اور دو نقاط پر جدائی اور افتراق پایا جاتا ہے۔ ایسے مفاہیم ایک جگہ دونوں صادق آتے ہیں لیکن ایک جگہ ایک مفہوم صادق آتا ہے دوسرا نہیں اور دوسری جگہ دوسرا مفہوم صادق آتا ہے، پہلا صادق نہیں آتا۔ مثال کے طور پر "قانون دان" اور "سیاست دان" دو ایسے عناوین اور مفاہیم ہیں جو ایک جگہ ایک مصداق میں اکٹھے ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ یہ عین ممکن ہے کہ ایک شخص قانون دان بھی ہو اور سیاست دان بھی ہو۔ لیکن دو جگہ یہ ایک دوسرے سے جدا ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ چہ بسا ایک شخص قانون دان ہوتا ہے، لیکن سیاست دان نہیں ہوتا۔ یا اس کے برعکس، ایک شخص سیاست دان ہوتا ہے لیکن قانون دان نہیں ہوتا۔ اس تناظر میں قانون اور شریعت کے درمیان بھی عموم و خصوص من وجہ کی نسبت پائی جاتی ہے۔

2. جن احکام کا تعلق ثانوی عناوین سے ہے ان میں اس بات کا مکمل دھیان رکھنا کہ ان کا انطباق بالکل درست انجام پائے۔ کیونکہ عناوین کی غلط تطبیق قانون سے سوء استفادے کا موجب بنتی ہے۔ یہ دیکھنا کہ کہاں حرج ہے، کہاں نہیں، کہاں ضرر ہے، کہاں نہیں اور اس امر کی دقیق تشخیص کہ کون سا امر کس عنوان کا مصداق ہے، یہ بھی علماء کی ذمہ داری ہے۔
3. حکومتی اور سلطانی قوانین جو حکومت کے اختیارات بیان کرتے ہیں، ان کی شرعی حدود کی تعیین، نیز یہ ضمانت فراہم کرنا کہ یہ قوانین بطور کلی دین و شریعت کی حدود کے اندر اندر وضع اور لاگو کیے جائیں۔

اس تناظر میں قوانین کی Islamization کے لئے درج ذیل پانچ اقدام ناگزیر ہیں:

i. فقہ میں نئے ابواب شامل کرنا ہوں گے۔ مثال کے طور پر اگر ماضی میں فقہ میں ۵۰ فقہی ابواب تھے تو اب اس میں ۲۰ نئے ابواب کا اضافہ ہونا چاہیے۔ تعلیم و تربیت سے مربوط ابواب، طب و طبابت سے مربوط ابواب، ماحولیات، عمرانیات، سیاسیات اور اقتصادیات سے مربوط جدید ابواب۔ پس ہماری فقہ میں وسعت آنی چاہیے۔

ii. فقہ میں موجود قواعد عامہ اور کلی عناوین میں وسعت لانے کی ضرورت ہے۔

iii. اسلام کے فردی احکامات کے استخراج کے ساتھ ساتھ اسلام کے اجتماعی احکام اور اقتصادی، سیاسی، تعلیمی۔۔۔ نظاموں کا استخراج علمائے اسلام کی ایک اہم ذمہ داری ہے۔

iv. فقہ اور قانون کی فلاسفی پر بھی خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

v. انسانی علوم اور سوشل سائنسز ہمیشہ فقہ اور قانون پر اثرانداز ہوتے ہیں، لہٰذا ان علوم پر دسترس اور ان سے قانون اور فقہی ابواب و احکام کے عناوین اخذ کرنا اور ان کے شرعی احکام کا دین اسلام کے بنیادی منابع سے استخراج بھی علمائے اسلام کا فریضہ ہے۔

اسلام کی نشأت ثانیہ کے لئے قانون سازی اور تشریع کی تکمیل کے ساتھ ساتھ اسلام کے پیش کردہ نظامِ عدل و انصاف کے خدّوخال اجاگر کرنے اور عدلیہ میں اہم اور ضروری تحولات ایجاد کرنے کی ضرورت ہے۔ اسلام کے پیش کردہ نظام عدل و انصاف کی اہمیت کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس باب میں قرآن کریم میں دو آیات قابل غور ہیں:

1. يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ (المائدہ: ۸)

یعنی: "اے ایمان والو! اللہ کے لئے گواہی دیتے ہوئے مضبوطی سے انصاف قائم کرنے والے ہو جاؤ۔"

2. يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ (النساء: ۱۳۵)

یعنی: "اے ایمان والو! انصاف پر مبنی گواہی دیتے ہوئے محض اللہ کے لئے قیام کرنے والے ہو جاؤ۔"

ان دو آیات میں سے پہلی آیت میں انصاف قائم کرنے اور خدا کے لئے گواہی دینے پر تاکید کی گئی ہے، جبکہ دوسری آیت میں خدا کے لئے قضاوت اور عدالت کی گواہی دینے کا حکم آیا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ عدالت کی برقراری کا اصل ہدف خدا اور خدا کی رضا کے حصول کے لئے اقدام، عدل و انصاف قائم کرنا ہے اور ان دونوں کا آپس میں اتنا گہرا رابطہ ہے کہ گویا خداپرستی اور عدل و انصاف، ایک تصویر کے دو رُخ

ہیں۔ بنابرایں، اسلامی معاشرے میں قضاوت اور عدالت کا انگیزہ محض الٰہی ہونا چاہیے۔ اور امکان کی آخری حد تک عدل و انصاف کا خیال رکھے۔ اور اسلام کا عدالتی اخلاق درحقیقت، انہی دو اصولوں پر استوار ہے۔

جہاں تک عالم اسلام کے عدلیہ کی بہتری اور اس نظام میں بنیادی اور اہم قسم کے تحولات ایجاد کرنے کا تعلق ہے تو اس کے لئے درج ذیل کام انجام دینا ضروری ہیں:

1. تحقیق کے میدان میں "اسلامی فقہ اور قانون" اور "قانون اور جدید حقوق" کا آپس میں رابطہ اجاگر کیا جائے۔ ایسا کرنے کے لئے اسلام کے انتہائی اہم اور مترقی قوانین کے واضح بیان کے ساتھ ساتھ حقوق اور قانون میں تمام انسانی تجربات سے بھی بھرپور استفادہ کیا جائے۔ مثال کے طور پر "اسلام کے منظر سے حقوق کا فلسفہ"، جزائی فقہ و حقوق" اور "فیملی رائٹس اور قوانین" کی اسلامی تشریحات کے ساتھ ساتھ ان شعبوں میں یورپی قانون دانوں اور عدلیہ کے تجربات سے بھی استفادہ کیا جائے۔
2. مدنی، جزائی اور کیفری قوانین، نیز اقتصادی قوانین اور کمپنیوں کے قوانین کی تدوین کا عمل وسیع پیانے پر انجام دیا جائے۔
3. قوانین کی تدوین میں زمانے کے تقاضوں اور مختلف فرقوں کے مذہبی تقاضوں کو مدّ نظر رکھا جائے۔
4. عدل و انصاف کی فراہمی کو آسان اور قانون کی حکمرانی کو یقینی بنایا جائے۔
5. اختلافات کے حل کے لئے مقامی مصالحتی کمیٹیاں قائم کی جائیں جو طرفین کے درمیان صلح قائم کرنے پر زور دیں۔ کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ یعنی: اور صلح بہتر ہے۔"
6. عدالتی عمل میں تیزی اور انصاف کی جلد فراہمی کے لئے جدید ٹیکنالوجی سے بھرپور استفادہ کیا جائے اور تفتیش سے لے کر فیصلہ دینے تک کے تمام مراحل میں جدید ٹیکنالوجی بروئے کار لائی جائے۔
7. معاشرے کے پسماندہ طبقہ کو انصاف کی فراہمی کی چارہ جوئی کی جائے۔
8. جرائم کے سدباب کے لئے مطالعات اور تحقیقاتی کام انجام دیے جائیں۔ عدالت میں دائر کیے گئے کیسز پر تحقیقاتی کام میں مختلف جرائم کے وقوع پذیر ہونے کے نفسیاتی اور سماجی اسباب تلاش کیے جائیں اور ان اسباب کا سدِّباب کیا جائے تاکہ معاشرے میں جرائم کے وقوع پذیر ہونے کی شرح میں کمی آئے۔

امت مسلمہ کی وحدت کے لئے تگ و دَو

آج مسلم امت کو بڑی مشکلات کا سامنا ہے۔ ان مشکلات کا راہ حل سب سے پہلے دینی مدارس اور علمائے دین کے ہاتھوں میں اور اس کے بعد مسلمان ممالک کے عوام اور حکمرانوں میں ہے۔ اگر علماء اور دینی مدارس کے مابین روابط قوی تر اور گفتگو اور مباحثہ کی فضا قائم ہو جائے تو اس سے امت اسلام کی وحدت و انسجام کے مقدمات فراہم ہو سکتے ہیں۔ ہماری خوش قسمتی یہ ہے کہ عصر حاضر میں کئی مسلمان دانشوروں، اہل قلم اور علماء و مفکرین میں عالم اسلام کی مشکلات کا ادراک پایا جاتا ہے۔ ہمیں کوشش کرنا چاہیے کہ مسلمان مفکرین کا اسلام اور عالم اسلام کی مشکلات کے بارے میں ادراک، یکساں ہو۔ اس حوالے سے علمائے اسلام کے مابین ملاقاتیں اور مذاکرات عالم اسلام کی مشکلات کا حل تلاش کرنے میں اساسی اقدام ہیں۔

اس کے باوجود کہ عالم اسلام کے پاس ایک عظیم سرمایہ موجود ہے، ہم پریشان ہیں اور عالم اسلام کے پاس وہ عظمت نہیں جو ہونا چاہیے تھی۔ آج مسلم دنیاکے پاس جو سرمایہ موجود ہے اس کی اجمالی فہرست کچھ یوں ہے:

1. ڈیڑھ ارب کے لگ بھگ آبادی۔
2. ۵۰ مسلمان ممالک۔
3. دنیاکے غیر مسلم ممالک میں بسنے والی مسلمان اقلیت۔
4. اسٹریٹیجک، سوق الجیشی اور وسیع و عریض اراضی۔
5. عظیم معدنیاتی ذخائر۔
6. انرجی کے ۷۰ فیصد ذخائر منجملہ تیل اور گیس کے عظیم ذخائر۔
7. جوان آبادی اور انتہائی ذہین انسانی منابع۔
8. عظیم اقتصاد اور Consumption Market۔
9. نہایت عالی شان ٹیلنٹ اور استعداد۔
10. قرآن وسنت اور عظیم علمی تاریخی میراث۔

اس سب کچھ کے باوجود آج اسلامی سرزمینوں پر غیروں کا قبضہ ہے، فلسطین، کشمیر پر قبضہ ہے۔ ہمارے تیل اور گیس کے ذخائر بیگانوں کی یلغار کا شکار ہیں اور مسلمان ممالک پر جنگیں مسلط کی جارہی ہیں۔ عالمِ اسلام میں نہ انسانی علوم میں پیشرفت ہے اور نہ ہی یورپ کی مانند سائنس اور ٹیکنالوجی میں مناسب پیشرفت ہے۔ ہم اندرونی اختلافات کا شکار ہیں۔ آج اگر رسول خدا ﷺ عالم اسلام کی اس حالت زار کو دیکھتے تو روتے۔ یہ ایک عظیم درد ہے جس کی دوا خود ہمیں تلاش کرنا ہے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ آج عالم اسلام سے وابستہ کچھ عناصر امریکا اور اسرائیل کے ہاتھوں میں کھلونا بن چکے ہیں۔ یہ امر اسلامی امت کی وحدت میں آڑے آرہا ہے۔ ایسے میں امت مسلمہ کی نشأت ثانیہ کی چارہ جوئی اسلامی ممالک کے حکمرانوں سے پہلے مسلمان علماء اور دانشوروں نے کرنی ہے۔ ہمارے علمی مراکز، دینی مدارس اور علمی محافل کو ان مسائل کا حل ڈھونڈنا چاہیے۔ اسلامی دعوت کو عام کرنے میں برصغیر میں علامہ اقبال اور علامہ مودودی، ایران میں امام خمینی اور شہید مطہری اور عراق میں شہید باقرالصدر جیسی شخصیات کے افکار بڑے روشن اور مفید ہیں۔ آج ایسی شخصیات کے افکار کی روشنی میں سفر طے کرتے ہوئے عالم اسلام کے علمی مراکز، دینی مدارس اور تمام اسلامی مذاہب کے علماء اسلامی امت کی وحدت کے لئے اپنی سنگین ذمہ داری ادا کرسکتے ہیں۔ علمائے اسلام کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اسلامی علوم میں ترقی و تحول لائیں اور معاصر دنیا کے سوالات کا جواب دیں اور تمام شعبوں میں اسلام کی پیش کردہ رہنمائی کو اجاگر کریں۔

اگر ہم فلسفہ اور عقلی علوم کی بنیاد پر اسلام کے نظامات کا استخراج نہ کرسکیں تو ہم معاصر دنیا اور عالم مغرب کے سوالات کا جواب نہیں دے سکیں گے۔ اگر ہماری اسلام اور عالم اسلام کے بارے میں تحلیل ایک جامع تحلیل نہ ہو، یقینا ہم مذہبی تعصّبات اور فرعی مسائل میں مشغول ہو جائیں گے اور عالم اسلام کے اصل مسائل حاشیہ میں چلے جائیں گے۔ اسلامی امت کی وحدت کے حوالے سے اس جامع نگاہ کو جدید نسل تک منتقل کیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ عالم اسلام کے علماء کو چاہیے کہ وہ اسلامی ممالک کے حکمرانوں کو خواب غفلت سے جگائیں۔ لہٰذا مسلمانوں کے درمیان وحدت کے جو

مقدمات فراہم ہیں ان سے بھرپور استفادہ کیا جائے۔ یقینا پاکستان، ایران اور ترکی اس باب میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ مسلم امت کی وحدت، ہماہنگی اور اسلامی تمدن کے احیاء کے لئے ضروری ہے کہ:

1. اسلامی مذاہب کو ایک دوسرے کی نفی کی بجائے ایک دوسرے کو قبول کرنا ہو گا۔ تند مزاجی اور افراط کو چھوڑنا ہو گا۔ فقہ اور عقائد میں افراطی روش، اسلامی امت کی وحدت اور ہماہنگی کی راہ میں آڑے ہے۔ عالم اسلام کو مختلف میدانوں میں کتاب و سنت پر ایک فقہی اور اجتہادی کام کی ضرورت ہے۔ ہمیں ایک دوسرے کی تکفیر اور نفی کو چھوڑنا ہو گا۔
2. عالم اسلام کے تعلیمی مراکز کا نظام باہمی گفتگو اور وحدت کی اساس پر تشکیل پانا چاہیے۔ تمام دینی مدارس کے دروازے، تمام اسلامی مذاہب کے طلباء پر کھولنا ہوں گے۔ اس سے باہمی تعامل کی راہیں مزید کھلیں گی۔
3. ہم ان لوگوں کی نفی کریں جو عالم اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ساز باز کرتے ہیں۔ عالم اسلام کے دوستوں کے ساتھ دوستی اور عالم اسلام کے دشمنوں کے خلاف مقاومت اور جہاد۔
4. اسلامی تعلیمات میں اجتہادی روش بروئے کار لاتے ہوئے اسلام کا درست، منطقی اور عقلانی فہم حاصل کرنا ہو گا۔
5. اسلامی تشخص اور اسلامی تہذیب پر تاکید۔ ہمیں اپنی زبانوں (عربی، فارسی، اردو اور ترکی) کو تقویت دینا ہو گی۔ ہمیں اپنے اسلامی تشخص اور وحدت کو نکھارنا ہو گا۔
6. ہمیں علم و صنعت، تحقیق اور علم کی تولید میں دنیا میں پہلا مقام حاصل کرنا ہو گا۔ اگر ہم اس فیلڈ میں پیچھے رہ گئے تو ہم مسلم معاشرہ کی مدیریت میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔
7. مسلم امت کے مشترکہ علمی اور اقتصادی بازار کا قیام ضروری ہے۔

اگر ہم مذکورہ بالا اقدامات کر لیں تو یقینا ہم بین الاقوامی سطح پر عالم اسلام کا بول بالا کر سکتے ہیں۔ ہمارے مابین باہمی تعاون کی فضا قائم ہونی چاہیے۔ ہمارے دینی مدارس و مراکز کے تعلیمی نصاب و نظام میں مذاہب کی تفریق سے بالاتر ہو کر پروگرامز مرتب کیے جائیں۔ یہ جامع اور مذہبی تفرقوں سے بالاتر ہو کر سوچنے کی روش امت اسلام کی وحدت اور انسجام کی بنیادیں فراہم کرے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلم امت اسلامی کی وحدت کے راستے میں جو چیزیں آڑے آ رہی ہیں ہمیں ان کو راستے سے ہٹانا ہو گا۔ ان موانع میں سے ایک اہم مانع بعض مسلم ممالک کے تعلیمی نظاموں اور درسی کتابوں میں مسلمان فرقوں کی تکفیر کی تعلیم شامل ہے۔ یہ تعلیم فقہی مسائل کے قالب میں موجود ہے جس کی اساس پر عامۃ المسلمین کے قتل کی اباحت کے فتوے جاری کیے جاتے ہیں۔ اگر ان ممالک کے تعلیمی نظام و نصاب سے یہ چیز اٹھالی جائے تو اس سے مختلف فرقوں اور مسلم ممالک کے درمیان اچھے روابط قائم ہو سکتے ہیں۔

آج مسلم امت کی وحدت کے لئے ایک اور اہم نکتہ قبلہ اوّل کی آزادی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان کی نگاہ میں اسرائیل قبلہ اول کا غاصب ہے۔ اگر ہم اسرائیل کے خلاف جنگ نہیں لڑ سکتے تو کم از کم اس کے ساتھ مخفی یا ظاہری تعلقات استوار نہ کریں۔ اسرائیل کے ساتھ مذاکرات نہ کریں۔ اگر ہم فلسطینیوں کی مدد نہیں کر سکتے تو ان کو اپنی تقدیر کا فیصلہ خود کرنے دیں۔

بین الاقوامی روابط

یورپ کی تجدید حیات کے بعد ایک اہم موضوع یہ درپیش ہے کہ غیر مسلم دنیا کے ساتھ عالمِ اسلام کا تعامل کیسا ہونا چاہیے؟ اسلام اور یورپی تمدن کے باہمی تعامل کے حوالے سے مسلمان مفکرین میں تین قسم کے مختلف نظریات پائے جاتے ہیں جو درحقیقت، اسلام کی تین مختلف تفسیریں ہیں:

1. وہ تفسیر جو بعض روشن خیال حضرات کی طرف سے پیش کی گئی جو اسلام کی بہت محدود تفسیر ہے۔ ان کے مطابق دین محض فردی عبادات کی حد تک محدود ہے۔ اسلام، خدا اور انسان کے باہمی رابطہ کی حد تک محدود ہے اور انسان کے سیاسی سماجی معاملات میں اسلام کوئی رہنمائی نہیں دیتا۔ لہٰذا یورپی افکار کو اصل مانا جائے اور سیاسی و سماجی معاملات میں اسلامی تعلیمات کی تفسیر، یورپی تفکرات کی بنیاد پر کی جائے اور اس باب میں اسلامی اقدار کی بات نہ کی جائے۔ ان مفکرین کے مطابق اسلام کے اجتماعی تفکرات کو ترک کرتے ہوئے یورپ کے ہاضمہ میں ہضم ہو جانا چاہیے۔ ان کے مطابق ترقی کا راز، یورپ کے ساتھ ہمراہی میں پوشیدہ ہے۔ لیکن یہ سوچ، دراصل، خود باختگی ہے اور یہ تفسیر درحقیقت، ایک انفعالی تفسیر تھی اور ناقابل قبول ہے۔
2. اس کے برعکس، دوسری تفسیر ایک متحجرانہ تفسیر ہے جس کا سارا زور محض اسلام کے ماضی اور اسلاف کے کارناموں پر ہے اور یہ عالم بشریت میں آنے والی تبدیلیوں اور تغییرات سے لاتعلق ہے۔ دراصل، جو لوگ ایک عمدہ اجتہاد کے ساتھ اسلام کی جدید دور کے تقاضوں کے مطابق تشریح پیش نہیں کرسکے، انہوں نے یہ افراطی نظریہ اپنایا کہ جس کے نتیجے میں افراطی تحریکیں وجود میں آئیں اور تندمزاجی اور تکفیر کا دروازہ کھلا۔ جن لوگوں کو اسلام کے ثابت عناصر اور متغیر عناصر کے درمیان تفریق، نیز ثابت عناصر و تعلیمات سے وقت کے بدلتے تقاضوں کے مطابق احکام استخراج کرنے کا فن نہیں آتا، انہوں نے یورپ کے ساتھ ہر قسم کے روابط کی نفی اور تکفیر کا دروازہ کھولا ہے۔ ہمارے مطابق اسلام کی یہ تفسیر بھی ایک ناصواب تفسیر اور تعصب ہے۔
3. اسلام کی تیسری تفسیر وہ ہے جس کے قائل برصغیر میں علامہ اقبال اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی جیسی شخصیات ایران میں علامہ طباطبائی، امام خمینی اور شہید مطہری جیسی شخصیات ور عراق میں شہید باقرالصدر جیسی شخصیات ہیں۔ اسلام کی اس تفسیر میں نہ خود باختگی ہے اور نہ افراط۔ اس کے مطابق اسلام کے اصولوں پر پابندی کے باوجود غیر مسلم قوموں کے تجربات سے استفادہ کیا جانا چاہیے اور اسلامی اصولوں سے دست بردار ہوئے بغیر، اسلام کو معاصر دنیا کے تقاضوں کے مطابق پیش کرنا چاہیے۔ اسلام کی اس تفسیر کے چند اساسی عناصر درج ذیل ہیں:
   i. عالم اسلام کی میراث پر تاکید اور اس عظیم اور تاریخی میراث کو اہمیت دینا اور فکر و فلسفہ اور اسلامی علوم کے میدان میں اس میراث سے استفادہ پر تاکید کرنا۔
   ii. اسلام کو جامع اور معاصر دنیا کے تقاضوں اور سوالات کا جواب گو پانا۔ اس تفسیر کے مطابق اسلام جہاں جامع اور ثابت قوانین کا حامل ہے وہاں اسلام میں ایسے قوانین بھی پائے جاتے ہیں جو وقت کے بدلتے تقاضوں کا جواب دیتے ہیں۔
   iii. عقل پر تاکید؛ اسے ایک منبع اور اجتہاد کی روش قرار دیتے ہوئے اور اسلام کی عقلی شناخت اور اسلام کے فکری نظام کا مدار عقل کو قرار دینا۔
   iv. اس نکتے پر تاکید کہ اسلام محض فردی دین نہیں، بلکہ یہ ایک اجتماعی، سیاسی اور جامع دین ہے۔

۷. اسلامی امت کی وحدت اور اسلامی تمدن پر ایمان اور تمام اسلامی فرقوں اور مذاہب کو عالمِ اسلام کی میراث قرار دینا اور مذہبی تفرقہ بازی اور ایک دوسرے کی تکفیر کی نفی کرنا۔

اسلام کی یہی تیسری تفسیر ہی عالم اسلام کے معاصر دنیا کے ساتھ تعامل کی اساس فراہم کرتی ہے۔ آج عالم اسلام کی مشکلات کا حل، نہ تو یورپ زدہ اسلام میں ہے اور نہ ہی متحجرانہ اور افراطی و تکفیری اسلام میں ہے۔ بلکہ ان مشکلات کا حل اسلام کی اسی تیسری تفسیر میں ہے۔ اسلام کی اس تفسیر میں مہربانی، صلح، مسالمت اور وحدت کے پیغام کے ساتھ ساتھ عدالت اور اسلامی سرزمینوں اور مسلم امت کے حقوق کے غاصبین کے خلاف مقاومت بھی نہفتہ ہے۔ یہ تفسیر ایک منطقی اور درست تفسیر ہے جس کے نتیجے میں ہم غیر مسلم دنیا کے ساتھ ایک منطقی اور درست رابطہ استوار کر سکتے ہیں اور اگر ہم عالمِ اسلام کی نشأت ثانیہ کے درپے ہیں تو ہمیں غیر مسلم دنیا کے ساتھ اسلام کی تیسری تفسیر کی بنیاد پر تعلقات استوار کرنا ہوں گے۔

*****